استعماری اجارہ اور فکرِ اقبال

Colonial Hegemony and Iqbal's Thought.

ڈاکٹر طارق جاوید
لیکچرار شعبہ اقبالیات
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
روبینہ کوثر
ریسرچ سکالر ایم فل اُردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract;

This paper enclosed the impact of hegemony or monopoly of imperialism over the subcontinent. Imperialism controlled the situation in two ways, first controlled with power and second to change the mind set of people and injected the inferior complex in their mind. To achieve this purpose imperialism used two mega tools "education" and "language". The invasion of the imperialistic culture over the subcontinent had become so widespread that English language, European learning and civilization were portrayed as positive inspirations in most of the books, written during the colonial periods. Speaking English language practicing European etiquette had become norms of decency. Making different languages as mediums of expression were inherent in every language. To insist that one particular language was the only means of cultured expression was nothing but a strategy to exclude all

languages from the sphere to literary and scholarly effort. In this way, Iqbal exposed hollowness of the western civilization and culture by raising voice of protest against their blind following and asserted that Islamic culture and civilization was far more universal than the European culture. During this study, mix methodology approach is used i.e descriptive analytical and historical. This study finds out the result that Iqbal's thoughts have decreased the invasion of the hegemony and monopoly of European imperialistic culture over the subcontinent

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، استعمار، اجارہ داری، برصغیر، مغرب، ثقافت، زبان، علم، شناخت۔

استعمار سے مراد کسی قوم کا دوسری جگہ جا کر اس کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی اداروں پر قبضہ جمانا یاسیاسی غلبے اور عسکری قوت کے زور پر دنیا پر اثر انداز ہونا ہے۔استعمار درحقیقت شہنشاہی نظام حکومت، نو آبادیات اور ماتحت سلطنتیں رکھنے کی پالیسی ہے۔استعماریت اپنے مقاصد کے حصُول کے لیے جہاں طاقت اور تشدد کا بہیمانہ استعمال کرتی ہے وہیں پر حکمت وبصیرت کے کھیل بھی کھیلتی ہے۔ طاقت کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے جہاں عسکری اور سیاسی اہداف کا تعاقب فوری مقصود ہو جیسا کہ برِ صغیر میں۱۸۵۷ ء کی جنگِ آزادی کے دوران طاقت کا استعمال کیا گیا۔ جب ثقافتی اہداف کا حصُول دیرپا اور متنوع جہات پر مدِ نظر ہو تو"اجارہ داری "کی حکمتِ عملی اپنائی جاتی ہے۔"اجارہ داری"کسی تصّور، نظریے اور اقدار کا ایسا غلبہ ہے جس میں تشدد،زوراورخون خرابے کا عمل دخل نہ ہو۔"اجارہ داری"میں ایسی فضا تیار کی جاتی ہے کہ ایک گرہ خود ہی اپنے خیالات سے دست بردار ہو کر دوسرے گروہ کے عقائدونظریات اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں کہ مسولینی کے تشدّدکے شکار ترقی پسند دانشور انتونیو گرامشی نے دورانِ قید" اجارہ داری"کا نظریہ تشکیل دیا تھا۔ وہ" اجارہ داری"کو ایسا غلبہ قرار دیتا تھاجو طاقت کے اندھے استعمال سے تہس نہس کیے بغیر ممکن بنایا جا سکے۔(۱)یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب کوئی گروہ اپنی رضاورغبت سے غلبے کو قبول کرے۔گویا کہ" اجارہ داری"سے مراد ایک ایسی اخلاقی اور فلسفیانہ قیادت ہے جسے ایک سماج کے ممتاز گروہوں کی فعال رضا مندی سے حاصل کیا گیا ہے(۲)یہ ممتاز گروہ اشرافیہ طبقے کے افراد

اور دانشور ہو سکتے ہیں۔(۳)ایک گروہ کسی دوسرے گروہ پر اثر انداز ہو کر کس طرح اپنی اجارہ داری مستحکم کرتا ہے؟اس سلسلے میں ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں کہ ایک گروہ از خود ایک ایسے مرتبے کا حامل نہیں ہو جاتا کہ وہ دوسرے گروہ پر فیصلہ کن انداز میں اثر انداز ہو سکے۔ پہلے اس فرق کو شدت سے اُبھارنا ضروری ہوتا ہے کہ ایک گروہ اپنے حاشیائی مرتبے یا سبلٹرن ہونے کا یقین کرنے لگے۔(۴)یعنی اجارہ زدہ گروہ خود اپنے خیالات،ثقافت اور شناخت سے دست بردار ہو کر اپنی ثقافتی شناخت کے حاشیائی مقام کو تسلیم کر لیتا ہے جیسا کہ ہندوستان کے مقامی باشندوں نے اپنی محکومی کو اپنی شناخت کے طور پر تسلیم کر لیااور یورپین کو اپنا آقا ماننے لگے۔ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب" ہندوستانی مسلمان"میں لکھتے ہیں کہ جب مسلمانو ں نے برطانوی ہندوستان کو دارالحرب کی بجائے دارالامان کے طور پر تسلیم کر لیا تو گویا انھوں نے اپنی محکومانہ حیثیت بھی تسلیم کر لی۔(۵)تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان،ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے رہے،مزاحمت کرتے رہے مگر جونہی اپنی محکومانہ حیثیت تسلیم کی تومزاحمت کی جگہ متابعت نے لے لی اور یوں ثقافتی اجارہ داری کی راہ ہموار ہو گئی۔ اس کی مثال میں سرسیّد کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

> "ہم انگلش گورنمنٹ کے زیرِ سایہ بستے ہیں جس میں ہم کو ہر طرح کا امن و امان حاصل ہے۔ہم کو اپنی گورنمنٹ کا بہت شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہم کوامن و امان کے سوا تعلیم میں بھی ایسی مدد دی ہے کہ کوئی سلطنت،کوئی بادشاہت ایسی مدد کی ہو اور عمدہ سامان تعلیم کا مہیا کر دیا ہو۔(۶)

اس اقتباس میں سر سیّد بطور رعایا ہندوستانیوں کی محکومانہ شناخت کا اعتراف نہایت تشکر آمیز لہجے میں کرتے ہیں اور اسی شناخت میں اپنی قومی نجات دیکھتے ہیں۔یہی حال سرسیّد کے رفقا کا ہے جو نو آبادیاتی فکر اور نظام کو مظبوط کرنے میں شعوری و لاشعوری طور پر انگریزوں کے معاون کارد کھائی دیتے ہیں۔وہ انگریزوں کوعذابِ الٰہی نہیں رحمتِ خداوندی سمجھتے ہیں۔ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولز میں متوسط طبقے کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ خود کو نو آبادیاتی صورتِ حال میں ڈھالتے ہوئے پر امن ماحول بنائیں تا کہ انگریزوں اور ان کے معاون کاروں کے لیے خوشحالی کی راہیں ہموار ہوں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولز پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض ہمدانی لکھتے ہیں کہ بر صغیر کی نئ مسلمان اشرافیہ کی نئ ثقافتی شناخت میں ڈپٹی نذیر احمد کے ناولز کا اہم حصّہ ہے۔(۷)ان کے ناول توبتہ النصوح اور بنات النعش پر انھیں گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے انعام ملا ا ور ان کے متون کا اہم حصّہ اردو

نصابات کی زینت بھی بنا۔علامہ راشدالخیری کے نزدیک مغلیہ تہذیب کے زوال کی وجہ انگریز سامراج کی مجرمانہ ذہنیت نہیں بلکہ مسلمانوں کے اپنے ایمان کی کمزوری ہے۔ اگر مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اعمال ٹھیک کر لیں۔انگریز خود بہ خود ہندوستان سے نکل جائیں گے۔رتن ناتھ سرشار بھی سرسیّد تحریک سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ان کے ناول" سیر کہسار"میں عسکری نواب ایک ایسا کردار ہے جو انگریزی تہذیب و معاشرت سے متاثر دکھائی دیتا ہے اور خود کو انگریزی تہذیب میں ڈھال کر عزت و شہرت کا خواہاں ہے۔سعید درانی لکھتے ہیں کہ "سیر کہسار"کا مصنف ناول کی کہانی اور اس کی پیش کش سے یورپین سے خاصا متاثر دکھائی دیتا ہے۔(۸)"سیر کہسار"کی فضاسے صاف عیاں ہے کہ مصنّف انگریزوں کی مختلف ایجادات کا اظہار تعجب کے ساتھ کرتے ہوئے قارئین کو نو آبادیاتی ثقافت کی عظمت کا قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔علاہ ازیں آزادؔ اپنے مشہور ناول" فسانہ آزاد"میں مقامی حکمرانوں اورہندوستانی معاشرے پر طنز کرتے ہیں لیکن انگریز حکومت کے استحصالی رویے پر خاموش ہیں۔انگریزوں کی انتظامی صلاحیتوں کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں جیسے ان کے بغیر ایک فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہی نہ تھا۔"فسانہ آزاد" کے کرداروں سے یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ انگریزوں سے براہ راست ٹکرانے کی بجائے ان کی غلامی کے اندر رہ کر چالاکی اور ہوشیاری سے زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھا جائے۔"فسانہ آزاد "کی مجموئی فضا پر غور کیا جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ اس ناول پر مغربی اثرات بہت گہرے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض ہمدانی لکھتے ہیں کہ رتن ناتھ سرشار فکری و نظریاتی طور پر نو آبادیاتی تہذیب و ثقافت سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے اپناناول" فسانہ آزاد "مغربی ناول نگار سروانٹیئز کے ناول" ڈان کیہوٹے "سے متاثر ہو کر لکھا۔مزید لکھتے ہیں کہ چوں کہ نوآبادیاتی نظام دھوکہ دہی سے عبارت ہے اس لیے" فسانہ آزاد" کی پوری فضا بھی ایسی ہے کہ اس کے کردار ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے نظر آتے ہیں۔(۹)ان ناول نگاروں سے بھی بہت پہلے ہمارے داستاں گو انگریز سرکار کی شان میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔میر امن" باغ و بہار "کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "منشا اس تالیف کا یہ ہے کہ سنہ ایک ہزار دو سو پندرہ برس ہجری اور اٹھارہ سے ایک سال عیسوی،مطابق ایک ہزار دو سو سات سنہ فصلی کے عہد میں اشرف الاشراف مارکوئس ولزلی گورنر جنرل لارڈ مارننگٹن صاحب کے جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگرداں ہے۔ جتنے وصف سرداروں کو چاہئیں،ان کی ذات میں خدا

نے جمع کیے ہیں۔ غرض قسمت اس ملک کی تھی جو ایسا حاکم تشریف لایا، جس کے قدم کے فیض سے ایک عالم نے آرام پایا۔ مجال نہیں کہ کوئی کسو پر زبردستی کر سکے، شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں"۔(۱۰)

یورپی زبان و ثقافت سے فقط ہمارے داستاں گو اور اولین ناول نگار ہی متاثر نہیں تھے بلکہ یہ کیفیت بعد کے شعرا وادبا اور عام و خاص کے قول و فعل میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان حالات میں جب یورپی تہذیب کی چکا چوند سے برصغیر کے لوگوں کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔لوگ مغربی تہذیب کو حیرت و حسرت سے دیکھ رہے تھے۔ان حالات میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے کہا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف(۱۱)

استعماری اجارہ داری کے نتیجے میں ہندوستان کی معیشت و معاشرت اور تہذیب و ثقافت ملیا میٹ ہو گئی تھی۔سادگی کی جگہ ہوشیاری اور خلوص کی جگہ پرکاری لے چکی تھی۔یورپی تہذیب کی تقلید شائستگی کی علامت بن گئی تھی۔ہندوستانی باشندوں کی قوت و توانائی، بصارت و بصیرت صفحہ ہستی سے مٹ کر سامراج کے مذموم عزائم کی نظر ہو چکی تھی۔ذہنی وجسمانی غلامی کی چکی نے ان کی انفرادی شناخت کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ صدیوں پر محیط مشرقی تہذیب کا جنازہ نکل گیا تھا۔ایسے میں اقبال نے یورپی تہذیب کی کھوکھلی تہذیب کو تنقید کا نشانا بنایا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا(۱۲)

استعماری ثقافت کے اجارے کے دو اہم ذرائع تعلیم اور زبان ہیں۔انھیں دو ذرائع کے بھر پور استعمال سے انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند میں اجارہ قائم کیا۔ لیلا گاندھی کے بقول ہندوستان میں انگریزی حکومت کا نافذ کردہ تعلیمی نظام اس نظام کی نقل تھا جسے یورپ نے نشاۃ ثانیہ کے دوران studia humanitatis کے نام سے رائج کیا تھا۔اس نظام نے" انسانی آدمی "یعنی Homo humanus اور" حیوانی آدمی "یعنی Homo barbarus کے فرق کو روا رکھا تھا۔(۱۳)اس نظامِ تعلیم کا بڑا مقصد

انسانی شناخت فراہم کرنا تھا کیوں کہ ان کے نزدیک ہندوستانی لوگ حیوانی درجے پر فائز ہیں۔ گویا اس نظامِ تعلیم کا بنیادی مقصد دانش ورانہ نہیں بلکہ اخلاقی تھا۔دانش ورانہ تعلیم فکر و نظر کی آزادی بخشتی ہے جب کہ اخلاقی تعلیم تسلیم و رضا کے جذبات اُبھارتی ہے یعنی اس نظامِ تعلیم کے ذریعے ہندوستانیوں کے جذبات و احساسات کی افزائش کر کے انھیں ریاستی قوانین کی بلا چُون و چرا متابعت کے لیے تیار کرنا تھا۔انگریز ہندوستانیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے اس کی ایک جھلک سر سیّد کے مضمون "نئی تہذیب "میں ملاحظہ کیجیے:

> "انگریز جینٹلمین کہتے ہیں کہ ہندوستانی بندر کے موافق ہیں جو چوتڑوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہیں۔ بندر کے موافق کھانے میں ہاتھ سان کر کھاتے ہیں۔ کوئی تمیز ان کی معاشرت میں نہیں ہے۔وحشیوں سے کسی قدر بہتر ان کا لباس ہے،جو قطع اس کے مشابہ ہے جو جنگلی،وحشی اور نا مہذب قومیں اب تک پہنتی ہیں۔"(۱۴)

انگریزوں نے خود کو ہندوستانیوں سے افضل و برتر ظاہر کرنے کے لیے ہندوستانی اور یورپی ثقافت میں عدم مساوات کو شدت سے اُبھارا اور یہ تاثر پیدا کیا کہ انگریز وں کی نسبت ہندوستانی جنگلی، وحشی اور نامہذب ہیں ڈاکٹر مبارک علی کے نزدیک انگریزوں کو اپنا رعب و دبدبہ اور ڈھاک قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ ثابت کریں کہ ہندوستان کی تہذیب ان سے کم تر ہے اور ہندوستانی غیر مہذب اور وحشی ہیں تا کہ ہندوستانی نفسیاتی طور پر دبے رہیں اور کبھی بھی انگر یزوں کی برابری کا خیال نہ کریں۔(۱۵)تمام نو آبادیاتی ممالک میں مقامی باشندوں کی اسی طرح کی اساطیری تصویریں بنائی جاتی ہیں۔انھیں غیر مہذب،نیم وحشی،کام چور،ست،کاہل اور جانور کے طور پر پینٹ کیا جاتا ہے تا کہ پولیس اور جیل خانوں جیسے ظالمانہ اداروں کا جوازبنا رہے اور تعلیم کا مقصد اخلاقی تربیت قرار دیا جا سکے۔(۱۶)یورپی تعلیم مقامی باشندوں کی منشا ورغبت ہی سے ایک نئی شناخت فراہم کرتی تھی۔یہ تعلیم کس نوع کی تھی اور کن شخصیات کی تشکیل کرتی تھی ہنٹر کا اقتباس اس کی صحیح تشریح کرتا ہے":کوئی نوجوان آدمی خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے جب نکلتا ہے تو اپنے آبائی اعتقادات پر بے یقینی سیکھ چکا ہوتا ہے"(۱۷)ہنٹر کے اس قول کی صداقت ڈپٹی نذیر احمد کے مضمون "دلی مسلمانوں کی سوسائٹی"سے بھی عیاں ہے۔ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آدمی مشن سکول میں نہ سہی کہیں بھی انگریزی پڑھے اور اس کے خیالات میں تبدیلی نہ آئے۔ہنٹر کے نظریات کی مزید وضاحت لارڈ میکالے(Lord Macaulay) کی یادداشت سے بھی ہوتی ہے۔لارڈ میکالے ۱۸۳۳ء میں سپریم کونسل کا ممبر اور پبلک انسٹرکشن کمیٹی کا سیکرٹری مقرر ہو کر ہندوستان آیا

اور اس نے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیتے ہوئے ۲۰ فروری، ۱۸۳۵ء کو گورنر جنرل کی کونسل میں پیش کی جانے والی اپنی یادداشت میں ہندوستان کے قدیم نظامِ تعلیم کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستانیوں کی جملہ معاشی و معاشرتی برائیوں کے خاتمے کے لیے مقامی علوم و فنون کی بجائے یورپی علوم کو ہندوستان میں پڑھایا جائے اور انگریزی زبان ذریعہ تدریس ہو۔ اس نے مشرق کی کلاسیکی زبانوں کے تمام ذخیرے کو یورپ کی کسی ایک لائبریری کی کسی اک شیلف میں رکھی کتابوں کے مقابلے میں بے وقعت قرار دیا۔ میکالے نے ۱۸۳۱ء کے ایکٹ کی رو سے مشرقی علوم کی ترویج وترقی کے لیے دی جانے والی مالی امداد بند کرنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم کا مقصد ایسی نسل تیار کرنا ہے جو مغربی افکار و نظریات کی ترجمان ہو اور جو رنگ و نسل کے اعتبار سے بلا شبہ ہندی ہو لیکن فکرو نظر اور سیرت واخلاق کے اعتبار سے خالص انگریزی ہو۔(۱۸)لارڈ میکالے کی یادداشت برطانوی تعلیمی پالیسی کا راہنما اصول بن گئی جس کے نتیجے میں ہندوستان میں تعلیم کا نظام اپنی قومی اساس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا اور اس نئے نظامِ تعلیم کے زیرِ اثر تربیت پانے والے افراد ڈب کھڑبے اور کاں ڈوڈ بننے لگے۔انگریزوں نے تعلیم کے نام پر برصغیر کے لوگوں کو ان کی روایات و اقدارسے ایسا دور کیا کہ ان کی انفرادی شناخت بھی مسخ ہونے لگی۔سامراج کے اس نظامِ تعلیم کے خلاف سب سے موثر آواز علامہ اقبال کی ہے:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف(۱۹)

ہم سمجھتے تھے کہ رنگ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ(۲۰)

تعلیمِ پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش(۲۱)

عشق کی تیغ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی(۲۲)

برصغیر میں برطانوی راج کی تعلیمی اور لسانی پالیسی کا جائزہ لیں تو اس میں اجارے کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔بنیادی تعلیم کے لیے ورنیکلر زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا کر اگرچہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ انگریز سرکار ان کے خیر خواہ ہیں اور ان کی زبانوں کو ترویج و ترقی دینا چاہتے ہیں مگرانگریزی بولنے والوں کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کر کے انگریزی زبان کی بالا دستی کو قائم کیا۔یہ بیانیہ شدت سے ابھارا گیا کہ انگریزی آقا کی زبان ہے اور بے پناہ خوبیوں کی مالک ہے۔اس بیانیے کے منطقی نتیجے کے طور پر انگریزوں کی طرح فر فر انگریزی بولنا تہذیب و ثقافت کی پہچان بن گیا۔انگریزوں پر ہی موقوف نہیں ہر حاکم اپنے محکوموں پر ایسے ہی حربے استعمال کرتے ہیں۔ہندوستان کی تاریخ کو لیں تو یہاں کی زرخیزی و خوشحالی کی وجہ سے یہاں پر مختلف ادوار میں مختلف گروہ حملہ آور ہوتے رہے۔تین بڑے گروہ یا جتھے جو بھاری یلغار کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے ان میں پہلی یلغار آرین کی تھی،دوسری مسلمانوں کی اور تیسری برطانوی انگریزوں کی۔ان تینوں گروہوں نے ہندوستان میں اپنی اجارہ داریاں قائم کیں مگر مختلف زاویوں سے۔ آرین نے اجارہ داری کے دونوں حربے استعمال کیے۔اوّلین شکل میں یہاں آباد دراوڑوں کو بہ زور طاقت تہس نہس کیا اور بعد ازاں مقامی زبان و ثقافت کی نسبت اپنے برتر ہونے کے احساس کو شدت سے ابھارا۔وید،مہا بھارت اور رامائن اسی امر کی شہادت دیتی ہیں۔مسلمانوں کا طرزِ حکومت آرین سے تھوڑا مختلف تھا اور تھوڑا مماثل بھی۔اس سلسلے میں ڈاکٹر قاضی عابد لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا نو آبادیاتی نظام ایک طرح سے آرین سے ملتا جلتا تھا اور ایک طرح سے مختلف تھا۔ مماثل یوں کہ مسلمانوں نے بھی آریاؤں کی طرح آباد بستیوں اورشہروں پر قبضہ کر لیااور مختلف یوں کہ ان کی یادوں سے قدیم دیار محو نہیں ہوئے(۲۳)آرین اور مسلمانوں کے برعکس انگریز برصغیر پاک و ہند میں تجارت کی غرض سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں داخل ہوئے اور مشرقی علوم پر اپنے مغربی علوم و فنون کی برتری کا احساس نمایاں کرتے رہے پھر ایک وقت آیا جب اپنا اجارہ قائم کرنے کے لیے انھیں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا پڑا۔یہ مظاہرہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی پر دیکھنے میں آیا جب انھوں نے طاقت کے اندھے استعمال سے ہندوستانیوں کی بغاوت کو بری طرح سے کچل دیا۔بعد ازاں برطانوی راج نے اپنا اجارہ قائم رکھنے کے لیے وہی نفسیاتی حربے استعمال کیے۔یہاں کے مقامی باشندوں میں احساسِ کمتری

کو ہوا دی۔ہندوستان کی مقامی زبان و ثقافت کی نسبت یورپین زبان و ثقافت کو ایک اعلیٰ و ارفع قوت کے طور پر پیش کیا۔ آرین، مسلمان اور انگریز،ان تینوں گروہوں میں ایک اور بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اوّل الذکر دونوں گروہوں نے ہندوستان پر حکومت تو کی مگر لوٹ مار کر کے یہاں سے کچھ لے کر باہر نہیں گئے جب کہ انگریزوں نے ہندوستان کے خام مال سے اپنی صنعتوں کو خوب ترقی دی۔بقول ڈاکٹر شیراز زیدی سامراج کا مقصد ہی نئی منڈیوں کی تلاش اورہوسِ زر کی تسکین ہوتا ہے۔(۲۴)سامراجی طاقتیں مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو پست درجے کی مخلوق ثابت کرتے ہوئے خود کو اُونچے منصب پر بٹھاتی ہیں تا کہ غلام ذہنوں میں اول تو اپنے آقاؤں کے خلاف بغاوت کے جزبات پیدا ہی نہ ہوں او راگر ہوں بھی تو وہ اسے اپنے آقا سے غداری بلکہ خدائی قوانین کی خلاف ورزی تصور کریں۔اس کے پسِ پردہ وہی اقتصادی و معاشی مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر قاضی عابد لکھتے ہیں:

> استعمار بنیادی طور پر اقتصاد ہی کا جن ہے مگر اسے کھل کھیلنے کے لیے مقامی ثقافت/ثقافتوں پر اپنی برتری کا زعم پیدا کرنا پڑتا ہے۔مقامی ثقافت/ثقافتیں اپنے اندر کتنی ہی خوبیاں رکھتی ہوں،نو آباد کار یا استعمار اسے مقامی آدمی کی طرح کم حیثیت اور حقیر ثابت کرنے کے طریقے اختیار کرتا ہے۔"(۲۵)

ہندوستان اپنی خوشحالی اور زرخیزی کی بدولت دنیا میں سونے کی چڑیا کے نام سے معروف ہو گیا تھااور بقول ڈاکٹر شیراز زیدی انگریز کے لیے برصغیر میں کوئی کشش تھی تو وہ ہندوستان کی بے پناہ دولت،زرعی اجناس،معدنیات کے ذخائر،سستے مزدوراورایک بہترین تجارتی منڈی تھی۔ (۲۶)سامراجیت کا یہ اجارہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ رعایا میں مدافعت کا عنصر پیدا ہی نہیں ہوتااور سامرج اپنے سرمائے کے فروغ کے لیے اپنی مرضی کی منڈیاں تلاش کر کے مرضی کے بھاؤ نرخ کی ترسیل کرتا ہے۔ دنیاپر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ فلاحِ انسانیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والی بڑی بڑی طاقتیں کمزور اورترقی پزیر ممالک کے سرمائے کو ہڑپ کرنے اور انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا باج گزار بنانے میں مصروف ہیں۔(۲۷)علامہ اقبال نے سامراج کے انھی مذموم ارادوں کو دیکھتے ہوئے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے تنقید کی۔انھوں نے اپنی شعری اور نثری صلاحیتوں سے برصغیر کے عوام کو سامراجی قوتوں کے خلاف ذہنی و جسمانی طور پر تیار کیا۔ان کی نظم" عبدالقادر کے نام " مشمولہ"بانگِ درا"سے معلوم پڑتاہے کہ وہ برصغیر کے عوام کومغربی سامراج کی غلامی سے نجات دلانے کا منشور تشکیل دے چکے تھے۔ مثنوی"پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق "میں انگریزسامراج

کی ریشہ دوانیوں پر کھل کر تنقید ملتی ہے۔کلامِ اقبال اردو و فارسی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اقبال نے برصغیر کے لوگوں کی فکری راہنمائی کس سطح پر کی۔چند شعر ملاحظہ ہوں:

- اے ازافسوں فرنگی بے خبر
فتنہ با در آستیں اُو نگر
از فریبِ اواگر خواہی اماں
اُشترانش را زحوضِ خود براں
حکمتش ہر را بے چارہ کرد
وحدتِ اعرابیاں صدپارہ کرد(۲۸)

(ترجمہ :)" تو جو فرنگی کے جادو سے بے خبر ہے اس کی آستیں دیکھ کہ اس میں ہزاروں فتنے چھپے ہوئے ہیں۔ اگر تُو اس کے طلسم سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اپنے حوض سے اس کے اُونٹوں کو نکال دے۔اس کی تدبیر اور چالوں نے ہر قوم کو بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔اسی نے عربوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیاہے۔"

اقبال کی یہ تنقید مغرب کے علم و حکمت کے خلاف نہیں بلکہ ان کے منفی ہتھکنڈوں کے خلاف ہے۔بقول پروفیسر فتح محمد ملک:

> "سامراجیت اور نوآبادیت کے ہتھکنڈوں کو اقبال نے جس سفاک حقیقت پسندی اور جس فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے،وہ اقبال کی گہری اور عملی انسان دوستی کا بین ثبوت ہے۔۔وہ مغرب کے علم وحکمت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ مغرب کی سیاسی اور تجارتی لوٹ مار اور مغرب کے اخلاقی اور تمدنی زوال کے سخت گیر نقاد ہیں۔"(۲۹)

علامہ اقبال کے ذہنی و فکری ارتقا کا مطالعہ کریں تو ان کی فکر کے مختلف زاویے سامرج کے خلاف ایک موثر ترین سلسلے میں باہم جڑے نظر آتے ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری سے لوگوں کے ذہنوں کی تہذیب کی جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر اپنے نفس اور اپنی ذات کا شعور بے دار ہوا۔اپنے دیس کے احساس اورشعور کی بے داری کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ سامراج کو آخرکار جب بعض ناگزیر وجوہ کی بناپر برصغیر چھوڑنا پڑا تو چھوڑنے کی ایک بڑی وجہ یہاں کے لوگوں کے شعور کی بیداری بھی تھی۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر"ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری"(لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء) ص۳۰

۲۔ رابرٹ بوکک،Hegemony،(نیویارک،ٹیو سٹاک پبلی کیشنز،۱۹۸۶ء) ص ۱۱

۳۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر"ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری"ص۳۰

۴۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر"ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری"ص۳۱

۵۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر،The Indian Musalman،(دہلی،روپا اینڈ کمپنی،نیو دہلی ۲۰۰۲ء) ص۱۳۵

۶۔ سرسیّد احمد خاں" خودنوشت افکار سرسیّد"مرتبہ،ضیاء الدین لاہوری،(لاہور،جمعیہ پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء) ص۱۸۹

۷۔ ریاض ہمدانی،ڈاکٹر،اُردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ،(لاہور،فکشن ہاؤس، ۲۰۱۸ء) ص۲۲

۸۔ سعید درانی،"رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری"،مشمولہ"سیپ"شمارہ ۱۵، ص ۲۳

۹۔ ریاض ہمدانی"اُردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ "ص ۲۲

۱۰۔ میر امن دہلوی،باغ و بہارلاہور،سیونتھ سکائی پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء) ص۴۵

۱۱۔ علامہ محمد اقبال،بالِ جبریل، (لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ء)ص۴۰

۱۲۔ علامہ محمد اقبال ،بانگِ درا،(لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۲ء) ص۱۴۱

۱۳۔ لیلا گاندھی،Postcolonial Theory،(ایڈنبرا،ایڈنبرا یونیورسٹی پریس،۱۹۹۸ء) ص۴۵

۱۴۔ سرسیّد احمد خاں" مقالاتِ سرسیّد "مرتبہ،محمد اسماعیل پانی پتی،(لاہور، مجلس ترقی ادب،بحوالہ،ڈاکٹر ناصر عباس نیّر،ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری،ص۳۱

۱۵۔ ڈاکٹر مبارک علی"برطانوی راج،ایک تجزیہ(لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء) ص۵۶۔۵۵

۱۶۔ ڈاکٹرناصرعباس نیّر"ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری"ص:۳۲

۱۷۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر،The Indian Muslim،ص۱۳۶

۱۸۔ حکومتِ پاکستان"علم التعلیم(لاہور،پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ،لاہور۲۰۱۱ء) ص۲۹

۱۹۔ علامہ محمد اقبال"ضربِ کلیم"(لاہور،اسد پبلی کیشنز، ۱۹۷۲ء) ص۸۶

۲۰۔ علامہ محمد اقبال" بانگِ درا "ص ۲۰۹

۲۱۔ علامہ محمد اقبال" بانگِ درا "ص۲۴۶

۲۲۔ علامہ محمد اقبال" بالِ جبریل "ص ۱۲

۲۳۔ قاضی عابد،ڈاکٹر،"استعماری ثقافتی یلغاراور مقامی مدافعتی رویے"،مشمولہ"عالم گیریت،ثقافت اور ادب"مرتبہ،حنا جمشید،(فیصل آباد،مثال پبلشرز،فیصل آباد۲۰۱۹ء) ص ۴۴

۲۴۔ شیراز زیدی"سامراجیت پر اقبال کی تنقید"(کراچی،سعید پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۱۴

۲۵۔ قاضی عابد،"استعماری ثقافتی یلغار اور مقامی مدافعتی رویے"،مشمولہ"عالم گیریت، ثقافت اور ادب"مرتبہ، حنا جمشید، ص ۴۳

۲۶۔ ڈاکٹر شیراز زیدی" سامراجیت پر اقبال کی تنقید "ص۲۴

۲۷۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد،"عالم گیریت کے اُردو ادب پر اثرات:صورتِ حال اور تحفظات"،مشمولہ"عالم گیریت،ثقافت اور ادب"ص ۴۸

۲۸۔ علامہ محمد اقبال"کلیاتِ اقبال"(فارسی)(لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۱ء) ص۸۳۷

۲۹۔ فتح محمد،ملک،پروفیسر"اقبال کا فکری نظام اور پاکستان کا تصور"(لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء) ص۳۹